قرآن و حدیث اور شاہ راہ ترقی

(از مولوی عبدالعزیز صاحب سلہٹی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن + پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

ناظرین! اگر ایک طرف مذہب اسلام نے لوگوں کے روحانی نقائص و عیوب کو دور کیا تو دوسری طرف ان کو اخلاق حمیدہ اور عادات سلیمہ سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ اگر آپ کو مذہب اسلام نے عبد اور معبود کا رشتہ قائم کرتے ہوئے بتایا کہ تمام حاجات وضروریات کو پوری کرنیوالی ایک اور صرف ایک ہی ہستی ہے تو دوسری جانب انکو یہ بھی بتایا کہ دنیا تمہارے لئے ہے ساری چیزیں تمہاری ہی خاطر وجود میں لائی گئی ہیں۔ بشرطیکہ تم ہمارے قواعد و قوانین کی پابندی کرو اور ہمارے بتائے ہوئے دائرۂ قانون میں جمے رہو۔ چنانچہ مذہب اسلام نے دو قانونی اصول پیش کئے کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و تابعداری کرو اور صاف کہدیا کہ یہ ہمارا قانون ہے تم ہمارے دوائر قانون میں رہتے ہوئے یعنی قرآن و حدیث کو اپنا لائحہ عمل بناتے ہوئے دنیا میں خوش و خرمی کے ساتھ ولولہ انگیز اور مسرت خیز زندگی بسر کرو اگر تم قرآن و حدیث پر عمل کرنا اپنا فرض منصبی سمجھے رہوگے تو دنیا کے تمام خزانے تمہارے ہاتھ ہونگے۔ ساری حکومت و سلطنت تمہارے قبضہ میں ہوگی۔ دنیا کی جاہ و شوکت صرف تمہارے لئے ہوگی۔ تم حاکم ہوگے ساری خدائی مخلوق تمہاری محکوم ہوگی جیسا کہ خدائی قانون کہتاہے کہ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ کہ زمین کے مالک نیک بندے ہوں گے رصحابہ کرام کی حالت کو دیکھئے کہ وہ ایک ایسی جماعت تھی جو کہ قعر ضلالت و جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خالقیت و مخلوقیت کی باہمی نسبت ان کے درمیان مفقود ہوچکی تھی۔ وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا۔ اتفاق ....عنقا ہوچکا تھا۔ نفاق کی کشتی چل رہی تھی۔ نہ کوئی بادشاہت تھی نہ سلطنت۔ بلکہ ایک مظلوم و مذموم قوم سمجھی جاتی تھی۔ لیکن جب مذہب اسلام آتاہے اور اس کی تعلیم اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کو اپنا لائحہ عمل بناتے ہیں تو ضلالت و جہالت وحشت و بربریت کا نام صفحہ دہر سے حرف غلط کی طرح ملیامیٹ ہوجاتاہے خالقیت و مخلوقیت کی باہمی نسبت درخشاں ہوتی ہے نفاق کی کشتی رک جاتی ہے اور اتفاق کا تختہ دریا سے بہہ اٹھتا ہے۔ دنیا کی سلطنت مل جاتی ہے یہانتک کہ جب ان کے دبدبہ اور جاہ و شوکت کی آواز اقوام عالم کے کانوں میں پڑتی ہے تو کسریٰ اور قیصر جیسی سلطنتوں میں بھی لرزہ پیدا ہوجاتاہے آخر کار انہی مسلمانوں کے قدم تلے آکر سرنگوں ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کا لائحہ عمل قرآن و حدیث تھا۔ ان کا چال وچلن اوران کی روش قرآن و حدیث کے احکام کیمطابق تھی

؎ جہاں گرما دیا گرما گئے وہ + جہاں نرما دیا نرما گئے وہ

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت خالد سیف اللہ مجاہدین کی ایک جماعت کو (جن کی تعداد باختلاف روایت چالیس یا تیس ہزار تھی) لیکر ہرمز کی فوج سے لڑائی کرنے کیلئے جاتے ہیں۔ جماعت مشرکین (جن کی تعداد ڈھائی کروڑ تھی)

چاروں طرف سے آکر مسلمانوں کو گھیر لیتی ہے ان کی تلواروں کی چمک دمک سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک منٹ کے اندر مسلمانوں کو بھوکوں سے اڑا دینگے۔ ایسی حالت میں خالد سیف اللہ صفوں کو چیرتے ہوئے پیچھے جاتے ہیں اور کافروں کو اس طرح قتل کر کے خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں جس طرح کوئی شخص گاجر یا مولی کو کاٹ کے ڈالتا ہے۔ آخر باقی ماندہ کفار مفرور ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جاتی ہے یہ سب کیوں ہوتا ہے اسلئے کہ یہ مطیع قرآن وحدیث تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دار فانی سے دار بقار کی طرف انتقال فرماتے ہیں تو عرب کے چند قبائل مرتد ہو جاتے ہیں اور زکوٰۃ بند کر دیتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ خلیفہ مقرر کئے جاتے ہیں آپ غور و فکر کرتے ہیں آخر اصحاب رسول اللہ سے مشورہ لیتے ہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - صحابہ کسی مصلحت سے جنگ کا مشورہ نہیں دیتے لیکن حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ میں ان مرتدین سے جنگ کروں گا۔ اور جو زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں ان سے زکوٰۃ وصول کرونگا - - - - - - - - - -

- -

چنانچہ آپ صحابہؓ میں سے بارہ آدمیوں کو مقرر کرتے ہیں اور ہر ایک کی قیادت میں ایک ایک لشکر بھیجتے ہیں اور حکم کرتے ہیں کہ جاکے لڑائی کرو یہانتک کہ وہ اسلام میں لوٹ آئیں۔ چنانچہ ہر ایک شخص اپنی فوج کو لیکر کفار کے ساتھ لڑائی کرتا ہے اور فتح حاصل کرتا ہے۔ کیوں نہ فتح ہو جب کہ یہ عامل قرآن وحدیث تھے کیونکہ صحابہ کرام کی تو یہ حالت تھی کہ اپنی جان جائے مال جائے سب کچھ جائے۔ لیکن اسلام کی شان میں ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے۔ اپنی اولاد کو چھوڑ دینگے عزیز و اقارب کو قتل کر ڈالیں گے۔ لیکن قول نبیؐ کے خلاف نہ ہونے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ خود صحابہ کرام کی تعریف قرآن مجید میں بایں الفاظ کرتا ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا الایہ یعنی صحابہ کرام کی تو یہ حالت تھی کہ وہ کافروں پر سخت ہوتے تھے۔ اور مسلمانوں سے ان میں کا ایک دوسرے پر مہربان ہوتا تھا۔ اور وہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرتے تھے اور اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی تلاش کیا کرتے تھے۔

اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض الآیہ۔ یعنی وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو کہ مومن اور عمل صالح کرنیوالے ہیں زمین کی بادشاہت کا۔ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومن بندے زمین کی بادشاہت کے مالک ہوں گے۔ یہ تو خداوند قدوس کا کلام ہے اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اور آج ہم غلامی کی سخت زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں تو اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ نعوذ باللہ یا تو خدا کا کلام جھوٹا ہے اور یا ہم مسلمان نہیں ہیں۔ چونکہ صورت اول قطعاً محال ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سچے مسلمان نہیں ورنہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے اسلاف نے تو قرآن وحدیث کی اتباع کر کے ساری دنیا پر حکومت کی اور تمام مخلوق خدا ان کی محکوم ہوگئی۔ اور آج ہم ہیں کہ غلامی کی زندگی

نوٹ:۔ محدث ماہ مارچ سنہ ۳۷ء کے صفحہ ۱۲ کی ان آیتوں کو بھی درست کرلیجئے سطر ۱۸ میں من اطاع کی جگہ من یطع اور سطر ۲۰ میں [illegible]

بسر کر رہے ہیں حالانکہ مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کو غلامی میں پڑے رہنے کی اجازت کبھی نہیں دیتا۔ ۔ ۔ ۔

صحابہ کرام جن کے متعلق رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہا گیا تھا جو اشاعت اسلام کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دینا کچھ نہ سمجھتے تھے اور محبت رسول میں اپنا مال خرچ کر دینا اپنی اولادوں و عزیزوں سے قطع تعلق کر لینا ایک معمولی بات تصور کرتے تھے۔ اسلام کے قوانین کی پابندی میں تمام بڑی سے بڑی تکلیف کو برداشت کرتے ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی ذراسی لغزشیں ہو جانے پران کو کتنی بڑی ندامت و ہزیمت ہوتی ہے۔ ذراسی قول نبی سے بے توجہی کرنے پران کو نقصانات اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جنگ احد کو یاد کیجیے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین کو لیکر میدان جنگ میں قیام فرماتے ہیں اور لشکر کو اپنے منظم کرتے ہیں تو چند صحابہ کرام کو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر معین کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خواہ ہمیں شکست ہو یا فتح، تم اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ چنانچہ مسلمان اپنی جنگی ہمت واستقلال کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے ہیں اور لشکر اسلامیہ کا مقابلہ عساکر شیطانیہ سے ہوتا ہے۔ بھلا وہ جماعت کیونکر شکست کھا سکتی تھی جن کے اندر آقائے نامدار سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں۔ کیونکہ وہ لوگ سروں کو ہتھیلی پر رکھکر لڑائی کرتے تھے۔ اپنی عزیز ترین جانوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور لڑائی میں شہید ہو جانے کو سب سے اچھا کام سمجھتے تھے بالآخر کافروں کی شکست فاش ہوتی ہے اور وہ بھاگ نکلتے ہیں اب اس صورت کو جب ان مسلمانوں نے دیکھا جن کو آپ ایک گھاٹی پر متعین کر آئے تھے تو انھوں نے قیاس کیا کہ اب تو کفار فرار ہو چکے ہیں اگر ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں تو کیا خرابی ہے۔ چنانچہ اس جماعت میں سے چند آدمی اپنی جائے مقررہ کو چھوڑ کر قول نبی کو ورطۂ نسیان میں غرق کرتے ہوئے مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ادہر اس ناعاقبت اندیشی کا یہ المناک نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں موقعہ بہت اچھا ہے چنانچہ اس گھاٹی کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ صحابہ میں سے اکابر صحابہ نذر اجل کر دیئے جاتے ہیں جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ خود سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کر دیئے جاتے ہیں آپ کا مبارک چہرہ لہولہان ہو جاتا ہے آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس کی وجہ کیا تھی؟ وجہ صرف یہی تھی کہ یہاں قول نبی کی مخالفت ذراسی ہو گئی تھی۔

پس حقیقت اسی طرح ہے کہ قرآن وحدیث کی اطاعت ہی میں ترقی ہے۔ چنانچہ انہی دونوں کی بدولت آجتک سلطان ابن سعود نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں اور انہی کی وجہ سے آج انکا رعب بڑی بڑی حکومتوں پر چھایا ہوا ہے اگرچہ ان کی حکومت بعض دوسری حکومتوں کے لحاظ سے چھوٹی ہے لیکن قدرت نے ان کو ایسی طاقت عطا کی ہے کہ کوئی شخص ان کو نیچا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حکومت وسلطنت جاہ وشوکت کو اور بڑھائے اور ان کے بدخواہوں کو نامراد وناکام کرے آمین۔

اندلس میں مسلمانوں نے کافروں کی بنیاد تک اکھاڑ دی تھی اور مسلسل آٹھ سو برس تک نہایت رعب وداب کے ساتھ بادشاہت کی تھی لیکن آج وہاں مسلمانوں کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ جب